اخلاق حسنہ اپنائیں اور ان کے غلبے کی دعا مانگیں، بدخلق گھر عزت نہیں پاتا۔ اپنے گھروں میں اعلیٰ اخلاق اپنائیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 23 ستمبر 1994ء بمقام لاس اینجلس، امریکہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج بھی بہت سے ایسے ممالک ہیں جہاں ملکوں کے کچھ اجتماعی یا جماعتی جلسے ہیں یا ذیلی تنظیموں کے اجتماعات ہیں اور ایک کافی بڑی فہرست تھی جس سے پتا چلتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج کل کثرت سے جلسے بھی ہو رہے ہیں اور اجتماعات بھی ملکی سطح پر ہو رہے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اب وقت اعلانات پر لگنا شروع ہو گیا ہے اس لئے کبھی نام لے کر نہ بھی اعلان کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ عموماً ان سب کو دوست اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملکی اجتماعات ہو رہے ہیں یا جلسے ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے سارے اجتماعات کو لِلّٰہ رکھیں، کہیں بھی کوئی انانیت کا یا دکھاوے کا پہلو، ان کی نیتوں میں یا اعمال میں داخل نہ ہو سکے۔

نیکی کا کوئی کام بھی جہاں نیت میں معمولی سا بھی فتور داخل ہو جائے، کوئی کیڑا لگ جائے آخر وقت تک داغدار رہتا ہے اور اسے اچھے پھل نہیں لگتے۔ یہ وہ اہم بات ہے جس کے پیش نظر مجھے پہلے بھی ایک دو دفعہ یہ خیال آیا کہ اگر اس رواج کو مستقل جاری کر دیا گیا تو بہت سے ایسے ممالک ہیں جہاں یہ شوق کہ ہمارا نام بھی پڑھ کر سنایا جائے۔ ان کی نیتوں میں داخل ہو جائے گا اور یہ بھی ایک کیڑا

ہے جو جڑ کو لگ جائے تو پھل ہمیشہ داغ دار نکلتا ہے بلکہ بسا اوقات ایسے درخت بھی مر جاتے ہیں جن میں جڑوں میں کیڑے لگ جائیں۔ جڑ کی بیماری کی اصلاح سب سے مشکل کام ہے اور بسا اوقات جب جڑ میں بیماریاں لگیں تو زمیندار کی کچھ پیش نہیں جاتی، ایسے پودے بالآخر ضرور مرجھا جایا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اس مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے ہر کام کے آغاز سے پہلے نیتوں پر غور کا ارشاد فرمایا ہے **انما الاعمال بالنیات** (بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر: 10) تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ نیتیں جو ابھی دل کی گہرائیوں میں یا ذہن کے پردوں کے پیچھے کروٹیں لے رہی ہوتی ہیں جن پہ کچھ محنت صرف نہیں ہوتی محض ایک خیال کی حیثیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں ایسی طاقت ہے کہ بڑی سے بڑی اعمال کی عمارت کو بھی وہ منہدم کرنے میں یا بالآخر اپنے مقاصد میں ناکام کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ بدنیتی پر انحصار ہو تو تمام دنیا بھی اس عمل میں اس نیت کی ممد ہو جائے، اس نیت پر کار فرما ہونے کے لئے کوشش کرے تو بدی کا پھل بد ہی لگے گا۔ اس لئے نیتوں پر ہر کام کا سکھانا، حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا ایک بہت بڑا احسان ہے اور مومن کو ہمیشہ متنبہ فرما دیا ہے کہ تمہاری ساری محنت ضائع جائے گی اگر نیت سے تم باخبر نہ ہوئے اور نیت کی اچھی طرح چھان بین کر کے تسلی نہ کر لی کہ تمہاری نیت صاف اور پاک ہے۔

پس اس پہلو سے بسا اوقات نیکی کے رستے سے بھی بدنیتیں داخل ہو جایا کرتی ہیں۔ بظاہر نیک کام ہے لیکن نیکی کے ساتھ جو خود نمائی کا پہلو بھی آ جاتا ہے وہ انسان کی نیت میں داخل ہو جائے تو سارا عمل بے کار اور بعض دفعہ بے ثمر اور بعض دفعہ تلخ پھل لانے کا موجب بن جاتا ہے۔ پس ہمیں عمومی طور پر اپنی نیتوں پر نظر رکھنی چاہئے اور جہاں بھی یہ رخنہ پیدا ہو یا یہ گمان پیدا ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ نیتوں میں کوئی دوسری چیز داخل ہو رہی ہے ایسے رستے کو بند کرنا وقت کے اوپر بہت ہی ضروری ہے اور ایسے رستوں پر چلنے سے گریز بہت لازم ہے۔ پس اگر چند ممالک کے نام یا چند جماعتوں کے نام نہ بھی سنائے جائیں تو کوئی ایسا نقصان نہیں ہے لیکن اگر سنائے جائیں اور وہ ان کی نیتوں میں گند ڈالنے کا موجب بن جائیں، آج نہیں تو کل رخنہ پیدا کر دیں تو یہ بہت بڑا نقصان ہے اس لئے جن ممالک کے نام میں پڑھ کر نہیں سنا رہا ان کو سمجھا رہا ہوں کہ اس پر دل گرفتہ نہ ہوں اس پر غم اور فکر کا اظہار نہ کریں۔ ان کے نام نہ سنانا بہتوں کی اصلاح کا موجب بن جائے گا اور خود ان کے لئے بھی

غور وفکر کا موجب ہوگا۔ وہ اب اپنے دلوں کو خوب کھنگال سکیں گے، اپنی نیتوں کو خوب اچھی طرح پرکھ سکیں گے کہ آیا ہماری نیت میں محض دعا ہی تھی۔ حصول دعا اور نیک کاموں میں آگے بڑھنے کی تمنا یا کچھ دکھاوے کا پہلو بھی داخل ہو گیا تھا۔ اگر محض للہ ایک اچھے کام کے اظہار کے لئے تمنا تھی کہ باقیوں کو بھی توفیق ملے اگر محض للہ اس لئے اعلان کی خواہش تھی کہ سب دنیا کے احمدیوں کو یا دوسروں کو بھی جو خطبات سنتے ہیں دعا کی توفیق ملے تو یہ نیت تو آپ کی پوری ہو جائے گی اس میں ایک ذرہ بھی رخنہ نہیں پڑے گا۔ معمولی سا بھی فرق نہیں آئے گا کیونکہ وہ خدا جس نے دعائیں قبول کرنی ہیں اس خدا کے علم میں تو وہ سب جماعتیں ہیں، وہ ساری مجالس ہیں جن کے ہاں جلسے ہو رہے ہیں یا اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں لیکن اگر دکھاوا پیش نظر تھا تو پھر ایسے لوگوں کو ضرور تکلیف پہنچے گی اور ایسی تکلیف بھی بعض دفعہ اصلاح کا موجب بن جاتی ہے۔ یہ تمہیدی بیان ہے جو دراصل جماعت کی عمومی اصلاح کے لئے اب فی ذاتہٖ ضروری تھا۔ اس کا بظاہر تعلق تو جلسوں کے اعلانات سے ہے لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ ہر نیک کام میں چونکہ بدنیتوں کے داخل ہونے کا رجحان پایا جاتا ہے اس لئے وقتاً فوقتاً اس کی یاددہانی کرائی جاتی رہے تو جماعت کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

اب میں اس مضمون کو پھر لیتا ہوں جو کچھ عرصہ سے سلسلہ وار شروع ہے یعنی وہ اخلاق حسنہ جن کی اسلام مسلمانوں سے توقع رکھتا ہے ہر مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اچھا تعلق ہو اور بنی نوع انسان سے اچھا تعلق ہو۔ بنی نوع انسان سے جو تعلق ہے وہ ہم سب کی نظر میں ہوتا ہے، اللہ سے جو تعلق ہے وہ براہ راست دکھائی نہیں دیتا اس لئے وہاں صرف دعوے ہی دعوے رہ جاتے ہیں۔ کوئی مذہب اگر یہ کہے کہ ہم بندے کو خدا سے ملاتے ہیں تو یہ ایک دعویٰ ہے۔ کسی کو کیا پتا کہ وہ مذہب خدا سے ملاتا بھی ہے کہ نہیں لیکن اگر کوئی مذہب یہ دعویٰ کرے کہ ہم اخلاق حسنہ کی ترویج کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ ہم اس لئے آئے ہیں تا کہ بنی نوع انسان کے باہمی تعلقات کو درست کریں اور پہلے سے بہتر بنا دیں تو یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو ہر کس و ناقص کو دکھائی دیتا ہے کہ کس حد تک پہنچا ہے۔ اور اس سے مذاہب کی شناخت، ان کی پہچان بہت آسان ہو جاتی ہے۔ پس دو پہلو ہیں ایک اللہ سے تعلق کا اور ایک بنی نوع انسان سے تعلق کا جو بظاہر جدا جدا ہیں۔ ایک وہ ہے جو ہمیں اس دنیا میں دکھائی دیتا ہے، ایک وہ ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ مگر ذرا بھی

گہری نظر سے مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دراصل یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ سے اچھے تعلقات ہوں اور بندوں سے گندے اور مکروہ تعلقات ہوں۔ کئی وجوہات سے یہ ناممکن ہے اول وہ وجہ جو میں پہلے بیان کرتا رہا ہوں کہ اگر خالق سے پیار ہے تو اس کی تخلیق سے بھی لازماً پیار ہونا چاہئے، اگر کسی شاعر سے محبت ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے شعروں سے نفرت ہو، کسی فنکار سے تعلق ہے تو اس کے فن سے بھی محبت ایک طبعی امر ہے یہ وہ بات ہے جو میں بارہا بیان کر چکا ہوں مگر اب میں اس مضمون کو ایک اور پہلو سے کھول کر آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

اخلاق حسنہ ایک ایسی چیز ہے جس کے نتیجے میں انسان کا انسان سے تعلق بڑھتا ہے اور گہرا ہوتا جاتا ہے۔ بدخلق انسان ایک ایسی مکروہ چیز ہے جس کا اپنے گھر میں بھی تعلق قائم نہیں ہوتا۔ کوئی انسان خواہ کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو اپنے بچوں کے لئے خواہ وہ محلات ہی کیوں نہ کھڑے کردے، ان کی اعلیٰ تعلیم کے بہتر سے بہتر انتظام ہی کیوں نہ کردے، اگر وہ بدخلق ہے تو اس کے بچوں کو اس سے پیار نہیں ہوگا، اگر وہ بدتمیز ہے تو اس کی بیوی اس کے کسی احسان کو نہیں مانے گی، ہمیشہ اس کی شاکی رہے گی، اس کے خلاف شکوے کرتی رہے گی کہ میرا خاوند تم لوگوں کے لئے اچھا ہوگا مگر گھر کے لئے تو ایسا بدتمیز ہے کہ گھر کے سارے سکون کو اس نے غارت کر کے رکھ دیا ہے۔ ایک بدخلقی جو ایک گھر میں تمام احسانات کا قلع قمع کر دیتی ہے اور کوئی تعلق قائم نہیں ہونے دیتی۔ ایسی بدخلقی جس کے نتیجے میں وہ شخص حلقۂ احباب میں بھی کوئی عزت کا مقام نہیں پاتا، ایسے شخص کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ اللہ کے دربار میں ایک اعلیٰ منصب پر فائز ہوگا حد سے زیادہ بے وقوفی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر بہت ہی بدظن رکھتے ہیں یہ لوگ، جو سمجھتے ہیں کہ ہمارے اخلاق تو ایسے ہیں کہ ایک بدخلق کی صحبت ہمیں سزا دیتی ہے، ہم پسند نہیں کرتے کہ اس کے پاس کچھ عرصہ بیٹھیں اور اس کے نتیجے میں ایک روحانی عذاب میں مبتلا ہوں۔ اپنے متعلق تو انسان یہ سوچے کہ بدخلقی کے نتیجے میں بیوی بھی خاوند کی نہیں رہتی، بچے بھی باپ کے نہیں رہتے مگر اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیسا ہی بدتمیز، بدخلق، مکروہ اخلاق کا انسان ہو وہ اگر نمازیں پڑھتا ہے تو اللہ کے ہاں مقبول ہے۔ یہ خیال انتہائی جاہلانہ خیال ہے اس میں کوئی ادنیٰ بھی حقیقت نہیں۔ بندوں سے زیادہ خدا نفیس ہے۔ ہم نے

تو نفاست اپنے رب سے سیکھی ہے۔اگر اللہ میں یہ نفاست جس کو کہا جاتا ہے خلق کی نفاست یہ نہ ہوتی تو بندوں نے کہاں سے لینی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی سیرت پر پیدا فرمایا ہے، اپنے خلق پر پیدا فرمایا ہے اس لئے ہر اعلیٰ خلق کے رستے سے آپ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مزاج کو پہچان سکتے ہیں اور مزاج شناسی کے بغیر دوستی نہیں بڑھ سکتی۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ اپنے گھر میں بھی اپنے عزیز ترین شخص کے مزاج سے ناواقف رہیں اور آپ کے تعلق گہرے اور استوار ہو سکیں۔ مزاج شناسی ہی سے Appreciation پیدا ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص کوئی حسن رکھتا ہے لیکن اس کی Appreciation نہیں ہو رہی، اس کے حسن کی قدر دانی نہیں ہو رہی تو ہمیشہ پیاسا اور محروم رہتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے مزاج کو آپ سمجھیں نہ اور یہ سمجھتے ہوں کہ آپ اس سے تعلقات قائم کرتے اور عبادت کے ذریعہ خوش کر رہے ہیں تو یہ آپ کی بڑی غلط فہمی ہے۔ میں نے دیکھا ہے بعض عورتیں بے چاری ساری زندگی بدامنی میں رہتی ہیں، بے سکونی کی حالت میں عمر گزار دیتی ہیں اور اپنے خاوندوں کے متعلق یہ کہتی ہیں کہ بہت شریف النفس ہے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی لیکن عورت کے حسن سے ناواقف رہتے ہیں، اس کے اندر جو گہری خوبیاں ہیں، اعلیٰ اخلاق ہیں ان پر ان کی نظر ہی نہیں ہوتی اور بیوی اس طرح رہتی ہے گھر میں جیسے کوئی دوسری مخلوق ہو۔ اس کے ساتھ خاوند اپنی شرافت کے نتیجے میں حسن سلوک تو کرتا ہے لیکن اس کی قدر نہیں پہچانتا۔ پس وہ بیویاں جن کی قدر نہ پہچانی جائے انہیں کبھی زندگی میں گہرا سکون میسر نہیں آ سکتا اور آپ میں اگر کوئی خوبی ہو اور لوگ اس سے ناواقف ہوں، بعض شعراء ہیں بیچارے بعض دفعہ ایسی مجلس میں چلے جاتے ہیں جہاں ان شعروں کا کوئی ذوق ہی نہیں ہوتا ان کے متعلق اگر آپ نے ان کو دیکھنا ہو ان کا کیا حال ہے تو اس مجلس سے نکلتے دیکھیں۔ انگریزی میں کہا جاتا ہے ''چمگادڑ جہنم سے نکلی'' ویسے ہی ان کا حال ہوتا ہے۔ پر جھاڑتے ہوئے وہ مجلس سے اٹھتے ہیں کہ ایسے نامعقولوں سے واسطہ پڑا کہ کچھ سمجھ نہیں آئی کسی کو کہ میں کیا کہہ رہا تھا۔ چنانچہ یہ انسانی فطرت میں داخل ہے۔ قدر شناسی انسانی تعلقات کا ایک لازمی حصہ ہے اور جہاں مزاج شناسی نہ ہو وہاں قدر شناسی نہیں ہو سکتی۔ پس اللہ کے مزاج کو سمجھیں اور اللہ کے مزاج کو آپ اپنی فطرت پر غور کرنے کے ذریعے سمجھ سکتے ہیں۔ جو باتیں آپ کو پسند ہیں وہ اگر

آپ کا ذوق اچھا ہے تو وہی باتیں اللہ کو پسند ہیں۔ اگر آپ بد ذوق ہیں تو جو باتیں آپ کو پسند ہیں وہ اللہ کو ناپسند ہیں۔ یہ موٹی سی صاف پہچان ہے۔ پس اس پہلو سے اخلاق حسنہ کی ایک بہت بڑی اہمیت ہے وہ مذہب جو اخلاق حسنہ نہیں پیدا کرسکتا جو ایک با اخلاق قوم نہیں پیدا کرسکتا وہ کروڑ دعوے کرتا رہے کہ ہم باخدا انسان بنا دیتے ہیں، جھوٹا ہے یا وہ جھوٹا ہے یا اس کے ماننے والے جھوٹے ہیں۔ مذہب سچا ہے مگر اس کے ماننے والے اس کو سچا سمجھ کر اس پر عمل نہیں کرتے۔

پس اخلاق کی بہت بڑی قیمت ہے اس پہلو سے میں نے ایک دفعہ غور کر کے دیکھا تو دنیا کی کسی مذہبی تاریخ میں بھی کسی ولی، کسی بزرگ، کسی نبی کے متعلق یہ ذکر نہیں ملتا کہ وہ بد اخلاق تھا۔ ویسے تو نیک تھا مگر تھا بڑا بدخلق۔ جو بدخلق ہے وہ بدبھی ہے اور خدا کے ہاں بدخلق مقبول نہیں ہوسکتا۔ کبھی کسی نبی کا ذکر آپ نہ قرآن میں پڑھیں گے نہ دیگر مذہبی کتب میں جو خدا کے ہاں درجہ پا گیا ہو لیکن بدخلق ہو۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا **بدخلق تو اپنے گھر میں عزت نہیں پاتا خدا کے ہاں اس کو کہاں عزت ملے گی۔ تو اپنے اخلاق کی حفاظت کریں، اپنے اخلاق کو بلند کریں** اور یہ احمدیت کی سچائی کا ایک ایسا زندہ ثبوت ہوگا جس کے نتیجہ میں جو ثبوت آپ کو مہیا ہو جائے تو ساری دنیا کا مولوی ہزار کروڑ گالیاں دیتا رہے دنیا اس کی بات نہیں سنے گی، آپ کے خلق کی بات مانے گی۔ پس وہ جماعتیں جو دنیا میں تبلیغ کرتی ہیں یا تبلیغ کے فریضے پر ان کو فائز فرما دیا گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے، ان جماعتوں کو لازم ہے کہ وہ اپنے اخلاق کی حفاظت کریں اور اخلاق کا آغاز گھروں سے ہوتا ہے۔

ہر نیکی کا آغاز گھر سے ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس محاورے کو سمجھتے نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ نیکیاں گھر والوں سے ہی کرنی چاہئیں۔ یہ مطلب نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ وہ نیکیاں جو باہر کی جائیں اور گھر والے اس سے محروم ہوں وہ نیکیاں نہیں ہیں کیونکہ نیکی کا سب سے پہلا اثر اس پر ہونا چاہئے جو قریب ترین ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا **خیر کم خیر کم لاھلہ** تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل، اپنے گھر والوں سے سب سے اچھا ہے اور پھر فرمایا **و انا خیر کم لاھلی** (ترمذی کتاب المناقب حدیث نمبر ۳۸۳۰) تم سب میں سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والا اپنے گھر والوں سے میں ہوں اور یہ بات بالکل سچی، سو فیصدی حقیقت ہے بلکہ ایسی اعلیٰ درجے کی سچائی ہے جو نظروں کو خیرہ کر دیتی ہے اور بہت سے لوگ اس میں ڈوب کر اس کی حقیقت

سے آگاہ نہیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا صرف اس ایک حدیث کے پہلو سے آپ تجزیہ کر کے دیکھیں تو حیران وششدرر ہ جائیں گے کہ باقی دنیا کی اصلاح کا تو خیر معاملہ بہت ہی بڑا اور وسیع ہے اپنے گھر میں جو آپ ؐ نے حسن خلق دکھایا ہے جس جس موقع پر جیسے صبر سے کام لیا ہے اس کی مثال آپ کو دنیا میں اور دکھائی نہیں دے گی۔ پس اخلاق کا سفر گھر سے شروع ہو کر گھر میں ختم نہیں ہوتا یا باہر سے شروع ہو کر گھر کے دروازے تک آ کر کھڑا نہیں ہو جاتا۔ یہ گھر کو باہر سے ملاتا ہے اور باہر کو گھر سے ملاتا ہے اور یکسانیت پیدا کرتا ہے انسان میں۔

جو سچا خلیق ہے اس کا دائرۂ اخلاق نہ گھر تک محدود ہے نہ اپنے ہم مذاہب تک محدود ہے نہ اپنے ہم وطنوں تک محدود ہے یہ دائرۂ اخلاق وہ ہے جو تمام عالم تک پہنچتا ہے اور اس کے محیط میں ہر انسان شامل ہو جاتا ہے۔ یہ وہ اخلاق کا اعلیٰ معیار ہے جس پر اسلام آپ کو نافذ کرنا چاہتا ہے۔ جس کو سمجھے بغیر آپ حقیقت میں احمدیت کے فلسفے سے ہی ناواقف رہیں گے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا میں بہت پھیل چکا ہے تقریباً ایک ارب ایسے لوگ ہیں جو اسلام سے وابستہ ہیں اس کے باوجود احمدیت کے قیام کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

چونکہ لاؤڈ سپیکر کا نظام صحیح کام نہیں کر رہا تھا اس لئے اس موقع پر حضور انور نے منتظمین کو اس طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

آپ کا لاؤڈ سپیکر صحیح کام نہیں کر رہا یا بہت آوازیں دے رہا ہے یا خاموش ہو جاتا ہے۔ کوئی بیچ بیچ کی راہ اختیار کریں یہ بھی اخلاق کی تعریف ہے کہ درمیانی رستہ اختیار کرو۔ نہ بہت شور ڈالو نہ بالکل گم سم ہو جاؤ۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کے مائیکروفون اور لاؤڈ سپیکر کو بھی اخلاق حسنہ کی توفیق عطا فرمائے۔

میں بات یہ بتا رہا تھا کہ اسلام میں جو اخلاق کی تعریف ہے وہ وسیع اور عالمگیر ہے اور کسی ایک حصے کا دوسرے حصے سے فرق نہیں کرتی۔ اس پہلو سے چند ایک امور میں آپ کے سامنے خصوصیت سے رکھنا چاہتا ہوں لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ مذہب جو اخلاق کا تصور پیش کرتا ہے اس کا دنیا کے اخلاق کے تصور سے ایک فرق ہے۔ دنیا میں اخلاق سے مراد ہے Courtesy, Civilised Behaviour مسکرا کے ملنا اور مسکرا کر بات کا جواب دینا، ادب سے ایک

دوسرے سے گفتگو کرنا اور یہ تصور یہاں تک آ کر ٹھہر جاتا ہے جو گہرے انسانی روابط ہیں ان کو ادب نہیں سکھاتا اور انصاف اور احسان کے جو اعلیٰ تقاضے ہیں ان پر گفتگو نہیں کرتا بلکہ خاموش رہتا ہے۔ پس ایک مہذب انسان ظاہری طور پر بہت ہی سلجھا ہوا اور صاف ستھرا انسان سوسائٹی میں ہر دلعزیز بن جاتا ہے۔لیکن جب اس کے معاملات بنی نوع انسان سے آزمائش میں پڑتے ہیں تو بالعموم اس کے اخلاق وہاں بے اثر ہو کر رہ جاتے ہیں یا اس کے اخلاق کی تعریف میں وہ باتیں داخل نہیں ہوتیں۔ بہت سے مہذب گفتگو کرنے والوں کو میں نے دوسرے کے حقوق کھاتے ہوئے بھی دیکھا ہے بہت سے مہذب بااخلاق لوگوں کو اپنے بھائیوں کا حق مارتے بھی میں نے دیکھا ہے، اور جھوٹ بولتے دیکھا ہے، کئی قسم کی دوسری برائیوں میں ملوث دیکھا ہے لیکن بات وہ بڑی تہذیب سے کرتے ہیں۔

پس دنیا کے ہاں جو اخلاق کا تصور ہے وہ اور ہے اور مذہب جو اخلاق سکھاتا ہے وہ بہت گہرے ہیں اور ہر قسم کے انسانی تعلقات پر اثر انداز ہوتے ہیں کوئی ایک دائرۂ تعلق انسانی ایسا نہیں ہے جس پر اسلام کے تصورِ اخلاق کا اثر نہ ہو۔ پس اس پہلو سے جب میں آپ کو بااخلاق بنانا چاہتا ہوں یا بااخلاق دیکھنا چاہتا ہوں تو میں اپنی نظر سے نہیں بلکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی نظر سے آپ کو بااخلاق دیکھنا چاہتا ہوں اور اسی پہلو سے بااخلاق بنانا چاہتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے اخلاق کو سنوارنے کے لئے جو مختلف نصائح فرمائیں ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ اگر چہ گنتی میں تو وہ شمار ہوسکتی ہیں لیکن بعض اتنی گہری اور اتنی وسیع الاثر ہیں کہ ان کے اندر ڈوب کر ان کے سارے مضمون کو پانا بھی اور سارے مضمون کو سمجھ جانا ایک بہت لمبے مطالعہ کا محتاج ہے۔ اور گہرے مطالعہ کا محتاج ہے۔ اس لئے وقتاً فوقتاً کبھی کبھی ان میں سے بعض احادیث کے بعض پہلو آپ کے سامنے رکھتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیثیں اپنے مضمون میں وہیں ختم ہوگئی ہیں۔ جیسا کہ میں نے ابھی آپ کے سامنے آغاز ہی میں **انما الاعمال بالنیات** کی حدیث رکھی تھی، اس پر اگر آپ غور کریں، اس کے مضمون میں ڈوب کے، پھر اپنے حالات کا جائزہ لیں، اپنے ان تمام کاموں کا جائزہ لیں جو آپ نے زندگی بھر کئے اور ان سے پہلے دل میں وارد ہونے والی نیتوں پر غور کریں تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ آپ کے بہت سے نیک کام نیت کے لحاظ سے بد تھے اور اس پہلو سے وہ خدا کے ہاں نامقبول ہیں۔ کئی لوگ نماز پڑھتے ہیں تو اس میں دکھاوے کا پہلو آجاتا ہے۔ کئی لوگ غریب

کی ہمدردی کرتے ہیں تو اس میں دکھاوے کا پہلو آ جاتا ہے۔ کئی لوگ بظاہر حسن خلق سے سلوک کرتے اور جواب دیتے ہیں لیکن دل میں اس شخص کے لئے نفرت پاتے ہیں اور دل میں اس کے لئے میل رکھتے ہیں تو ان کا ظاہری خلق بھی ایک قسم کا جھوٹ بن جاتا ہے۔ **صبح سے لے کر رات تک اپنے روزمرہ اعمال پر غور پر کریں وہ قدم جو اٹھاتے ہیں ان پر غور کریں تو بسا اوقات آپ نیتیں چھپانے کا سفر کر رہے ہوتے ہیں، نیتوں کو درست کرنے کا سفر نہیں کرتے اور نیتوں کو چھپانے کا جو مضمون ہے یہ ساری زندگی پر محیط ہے۔** ہم جو روزمرہ کپڑے بدلتے ہیں اور عورتیں میک اپ کرتی ہیں یہ سارا مضمون دراصل بعض عیوب چھپانے کا مضمون ہے نا۔ چنانچہ لباس کا بنیادی فلسفہ بھی قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ آدم پتوں میں اپنے عیوب چھپانے لگا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف: 27) یہ ظاہری لباس دراصل تمہاری بدیاں چھپانے کے کام آتے ہیں اور یہ میک اپ جو ہیں تمہارے چہروں کے داغ چھپانے کے لئے کام آتے ہیں مگر حقیقت میں اگر کوئی چیز عیب کو حقیقت میں زائل کر سکتی ہے اور بدیوں کو حسن میں تبدیل کر سکتی ہے تو وہ لِبَاسُ التَّقْوٰى ہے یعنی اللہ کے خوف کا لباس۔ یہ خوف کہ خدا ہم سے ناراض نہ ہو جائے، یہ خوف دل پر غالب ہو اور اس نیت سے کوئی کام کیا جائے تو ہر عمل غیر معمولی طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کے لائق ٹھہرتا ہے اور اس کو ویسے بھی ہر پہلو سے برکت ملتی ہے اور ہر عمل جو اس کے نتیجے میں کیا جاتا ہے وہ محفوظ ہو جاتا ہے، وہ شیطانی حملوں سے بچ جاتا ہے۔

اب اس پہلو سے اگر آپ اپنی زندگی کے سفر پہ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ اس ایک حدیث کے دائرے سے بھی بارہا باہر نکل آئے اور اس کی حفاظت میں آپ قلعہ بند نہیں رہے۔ ہزاروں لاکھوں زندگی کے ایسے سفر تھے جن کے پیچھے نیتوں میں فتور تھا، ایک ایک قدم پر یہ فتور تھا اور ان کی ناآشنائی کی وجہ سے، ان سے ناواقفیت کی وجہ سے ہم بہت سے اپنے اعمال ضائع کرتے چلے جاتے ہیں اور قرآن کریم جو یہ فرماتا ہے کہ ایسی عورت کی طرح نہ بننا جو سوت کاتنے کے بعد اس کو پارہ پارہ کر دے۔ یہ مثال کسی نہ کسی پہلو سے ہر انسان پر صادق آ رہی ہوتی ہے ایک طرف وہ اچھے عمل کر رہا ہے، دوسری طرف اس کی نیتوں کا فتور یا ان کی غلطی یا اپنی بے حسی ان نیک اعمال کو ضائع کرتی چلی جاتی ہے اور یہ نہیں پتا چلتا کہ ہم نے کچھ آئندہ کے لئے اکٹھا کیا بھی ہے کہ نہیں، کچھ ذخیرہ

بنایا بھی ہے کہ نہیں جو ہمارے، آئندہ آخرت میں کام آئے گا۔

پس اخلاق حسنہ میں سے صرف ایک حصہ یعنی نیت کی حفاظت، جو درحقیقت تمام اخلاق حسنہ پر نگران ہے صرف اسی پر عمل کر کے دیکھیں تو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی نصیحت ہر انسان کی ساری زندگی پر، تمام بنی نوع انسان کی تمام زندگیوں پر حاوی ہوگی اور اسی کا حق ادا کرنے میں ایک انسان اپنی ساری زندگی صرف کر دے تو پھر بھی حق ادا نہیں کر سکے گا۔ یہ معنی ہے جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کی نصائح کو ٹھہر کر، غور اور فکر کے ساتھ، گہری نظر سے دیکھیں اور صرف دیکھیں نہیں اس کو اپنی زندگی پر چسپاں کرنے کی کوشش کریں، اپنے اخلاق کو اس کی روشنی میں ایک نئی صنعت عطا کریں، نئی تخلیق بخشیں پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ کے اندر روز بروز نئی پاک تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں اور اس بات کے گواہ پہلے آپ کے گھر والے ہونے چاہئیں کیونکہ نیکی کا سفر گھر سے شروع ہوتا ہے۔ اگر آپ کے گھر والوں کو علم نہیں ہو سکا کہ آپ کے اندر پاک تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں تو پھر یہ غلط فہمی ہے کہ وہ تبدیلیاں واقعۃً پیدا ہو رہی ہیں۔ لیکن گھر والوں کے علاوہ آپ کے قرب وجوار میں جو لوگ رہتے ہیں، جن سے تجارت کے معاملات ہیں، لین دین کے تعلقات ہیں یا بہن بھائی، جب ورثے کی تقسیم کا وقت آتا ہے ایسے تمام مواقع پر جبکہ انسان کے اخلاق حقیقت میں آزمائے جاتے ہیں وہ وقت ہے کہ اخلاق کا حلیہ، اخلاق کی اصلیت ظاہر ہوتی ہے اور اس وقت جو اوپر چمک ہوتی ہے وہ اچانک بعض دفعہ زائل ہو کر، نیچے گندی نیت کے دھاگے بالکل صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ایسے موقع پر انسان پہچانا جاتا ہے کہ زندگی بھر وہ کیا کرتا رہا ہے۔

میرے علم میں بعض دفعہ ایسے واقعات آتے ہیں کہ بظاہر ایک خاندان بہت ہی اچھے محبت کے تعلقات میں بندھا ہوا۔ بھائی، بہنوں سے پیار کرتے ہیں، بہنیں، بھائیوں پر فدا، لیکن جب باپ نے آنکھیں بند کر لیں اور ورثے کی تقسیم کا وقت آیا تو سارے اخلاق غائب۔ پھر وہ بھائی جو قابض ہو جائے جائیداد پر وہ طرح طرح سے بہانے بنا کر اپنے باقی بھائیوں یا بہنوں کو ان حقوق سے محروم رکھنے کی کوشش کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ ایسی بہنیں ہیں جو جوان تھیں جب ان کے والدین گزر گئے اور اب بوڑھی ہو گئی ہیں اور ابھی تک ان کے بھائیوں نے ان کے حقوق ادا نہیں کئے اور ویسے بڑا با اخلاق خاندان تھا، آپس میں بڑے تعلقات تھے۔ تو یہ جو مضمون ہے یہ بہت ہی گہرا ہے

اوراس کی پہچان کے بعض اوقات، آتے ہیں، بعض آزمائش کے وقت آتے ہیں جن میں نیتیں ابھر کر باہر آجاتی ہیں اوراوپر کی چمک غائب ہوجاتی ہے جیسے ریت میں پانی جذب ہوجاتا ہے اور خشک ریت پھر دکھائی دینے لگتی ہے تو انسانی تعلقات کے جتنے دائرے ہیں ان سب کے پیچھے کچھ نیتیں ہیں وہ روزمرہ دکھائی دیں یا نہ دیں لیکن بعض ایسے آزمائش کے وقت آتے ہیں جن میں وہ ضرور ننگی ہوجاتی ہیں۔ ایسے وقتوں میں انسان پہچانا جاتا ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو ہمیشہ کے لئے دنیا کی نظر سے الگ چھپ کر ایک منافقانہ زندگی ایسی بسر کر سکے کہ وہ ہمیشہ لوگوں کی نظر سے اوجھل رہے۔

پس وہ مذہب جو ایسے انسان پیدا کرے جن کی زندگی کا ہر شعبہ با اخلاق ہو، جن کی انجمن بھی با اخلاق ہو اور ان کی تنہائی بھی با اخلاق ہو، جن کے گھر کے تعلقات بھی با اخلاق ہوں، جن کے دوستوں کے تعلقات بھی با اخلاق ہوں اور بازار کے تعلقات بھی با اخلاق ہوں اور سیاسی تعلقات بھی با اخلاق ہوں، غرضیکہ زندگی کے ہر دائرے میں وہ اسی طرح با اخلاق رہیں جیسے دوسرے دائروں میں با اخلاق ہیں اور کسی آزمائش کے موقع پر ان کے خلق کی تہہ میں دبی ہوئی گندگی اچھل کر باہر نہ آئے بلکہ اس کے برعکس نمونہ ظاہر ہو اور برعکس نمونہ یہ ہوا کرتا ہے کہ جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو وہ انسان جو حقیقت میں با اخلاق ہے وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوب صورت ہو کر چمکتا ہے اور اس وقت اس کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ ہم تو اس کو محض اچھا سمجھ رہے تھے یہ تو بہت ہی اچھا نکلا۔ اس نے تو حیرت انگیز کردار کا نمونہ دکھایا ہے۔ اس کی بعض مثالیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہمارے اخلاق سدھارنے کے لئے ہمیں دیں بعض مثالوں کی صورت میں پیش فرمائیں۔

ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص تھا جس نے کسی مزدور کی مزدوری اپنے خیال سے درست دی لیکن مزدور یہ سمجھتا تھا کہ مجھے کم دی جارہی ہے اس نے اصرار کیا لیکن وہ اپنی ذات میں اپنے آپ کو درست سمجھتا تھا اور دیانتدار انسان تھا۔ اس نے کہا کہ نہیں تمہارا جو حق بنتا ہے وہ میں دے رہا ہوں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے اگر یہ بات ہے تو میں یہ حق چھوڑتا ہوں اور میں جارہا ہوں اور اس نے حق لینے سے انکار کردیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کون سچا تھا یہ خاص آزمائش کا وقت تھا۔ یہ پہچان کہ یہ با اخلاق تھا یا وہ با اخلاق تھا۔ کس کی بات سچی تھی ایک عجیب رنگ میں دنیا میں ظاہر ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے اس نیک نتیجے کی طرف توجہ دلا کر ہمیں اخلاق کا درس دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص چلا گیا، لیکن یہ

شخص جس نے مزدور کی مرضی کے مطابق اجرت نہیں دی تھی، تھا دیانتدار اور غلطی اس کی نہیں تھی اور اس کی دیانت کا امتحان ایسے ہوا کہ اس کے جانے کے بعد اس کی اجرت کو اس نے کام پر لگا دیا اور اسے بڑھاتا رہا اور چونکہ ذہین تھا اور اچھا تاجر تھا، بھیڑ بکریوں وغیرہ کی تجارت کرتا رہا، اس سے اور اس کا مال بڑھتا رہا اور باقاعدہ اس کا حساب الگ رکھا۔ یہاں تک کہ ایک لمبے عرصے کے بعد وہ شخص بہت ہی زیادہ مفلوک الحال ہو گیا اور اسے خیال آیا کہ اب کچھ اور صورت نہیں ہے تو میں اس شخص سے جا کر وہی اجرت طلب کروں جو میں رد کر بیٹھا تھا۔ چنانچہ بہت لمبے زمانے کے بعد وہ واپس آیا وہ شخص ابھی زندہ تھا۔ اس سے جب اس نے کہا تمہیں یاد ہے کہ ایک ایسا وقت تھا کہ جو اجرت تم مجھے دے رہے تھے وہ لینے سے میں نے انکار کر دیا تھا اب میرے حالات بہت گر چکے ہیں اب میری یہ حالت ہے کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اپنی غیرت کو چبا جاؤں اور تم سے اس اجرت کا مطالبہ کروں۔ اس نے کہا ہاں ٹھیک ہے یہ جو بھیڑوں کا غلہ دیکھ رہے ہو دو وادیوں کے درمیان، یہ سب تمہارا ہے۔ یہ وہی اجرت ہے یہ لے جاؤ اس نے کہا دیکھو تم ایک مجبور اور بے کس انسان سے مذاق نہ کرو میں نے اجرت کا مطالبہ کیا ہے۔ اس نے کہا مذاق نہیں یہ وہی اجرت ہے چونکہ میں سمجھتا تھا کہ میں دیانتدار ہوں اور میری دیانتداری کا تقاضا تھا کہ پھر تمہارے مال کو بے کار نہ پڑا رہنے دوں تو میں تمہاری خاطر اسے لگاتا رہا۔ اللہ برکت ڈالتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک دو بھیڑوں کی قیمت کا مال اب بڑھ کر اتنا بڑا گلّہ بن گیا ہے کہ دو پہاڑوں کے درمیان وادی ان سے بھر گئی ہے۔ چنانچہ وہ خوش خوش اس گلّے کو ہانک کر لے گیا۔ نہ اس نے اس سے اجرت مانگی اس کی نہ اس کو یہ خیال آیا کہ اس باخلق انسان کی دل آزاری کروں یہ کہہ کر، کہ کچھ تم اس میں سے میرا بدلہ لے لو۔

یہ اخلاق حسنہ کی آزمائش ہے یہ ایک مثال ہے اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ جو مثالیں دیا کرتے تھے وہ فرضی نہیں ہوا کرتی تھی کیونکہ وہ شخص جو سچا ہو وہ فی الحقیقت اپنی مثالوں کے لئے بھی سچائی کی تلاش میں رہتا ہے اگرچہ ایک سچے آدمی کے لئے ایک فرضی مثال دینا منع نہیں ہے لیکن انبیاء کا حال کچھ عام انسانوں سے مختلف ہوا کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ تو تمام سچوں سے بڑھ کر سچے تھے اس لئے جب بھی میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی کسی پیش کردہ مثال کا مطالعہ کرتا ہوں تو کبھی کہانی کے طور پر نہیں بلکہ اس یقین کے طور پر کہ ایسا واقعہ ضرور کہیں نہ

کہیں گزر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس سے مطلع فرمایا ہے۔

پس یہ ہے خلق حسنہ جس میں کوئی جھول نہیں پڑتا۔ کوئی لالچ اس پر اثر انداز نہیں ہوا کرتی اور ایسے شخص کی سچائی کو اللہ تعالیٰ خود ظاہر فرما دیتا ہے۔ پس آزمائش کے وقت اخلاق حسنہ اور چمک جاتے ہیں اور نمایاں ہو کر دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ایک واقعہ اور ملتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ ایک ایسی مسلمان عورت سے آپ نے کچھ ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جو اپنے بھائی کے حسن خلق کے گیت گایا کرتی تھی اور ایسے گیت گاتی تھی کہ اس کی شہرت تمام عرب میں پھیلتی چلی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ بی بی یہ کیا بات ہے کہ اور بہت سے موضوع ہیں تمہارا بھائی آخر وہ کیا چیز تھا جس کے حق میں تم نے ایسے ایسے گیت بُنے ہیں کہ سارے عرب میں اس کی شہرت ہوگئی ہے تو اس نے کہا کہ یا امیر المومنین وہ ایک ایسا بھائی تھا کہ جس کی مثال دنیا میں ڈھونڈنی مشکل ہے اور اب میں بتاتی ہوں کہ کیوں میں اس کے حسنِ خلق کے گیت گاتی ہوں۔ کہتی ہیں جب میرے باپ کی وفات ہوئی تو اس بھائی نے یہ بھی نہ دیکھا کہ میں عورت ہوں میرا حصہ کم ہوگا یا عرب کے رواج کے مطابق ہوگا ہی نہیں۔ اس نے اپنی جائیداد کو عین نصف تقسیم کیا۔ آدھا مجھے دے دیا اور آدھا اپنے لئے رکھا۔ میرا خاوند عیاش تھا اور غیر ذمہ دار تھا وہ چند سالوں میں وہ جائیداد بیچ کے کھا گیا۔ میرا بھائی سمجھ دار تھا اور ذمہ دار تھا اس نے اپنے خاندان کو، اپنے اہل وعیال کو اچھی طرح پالا لیکن ساتھ ہی تجارت میں مال لگا کر بہت فائدہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ اس کے علم میں آیا کہ میں اب بالکل کنگال ہو چکی ہوں جس طرح تقسیم جائیداد سے پہلے کا حال تھا اسی حال تک پہنچ چکی ہوں تو وہ آیا اور اس نے پھر اپنی جائیداد کو نصف کیا۔ آدھا مجھے دیا اور آدھا اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے رکھ لیا اور اس نے یہ بیان کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کہ پھر ایسا وقت آیا کہ وہی بات دوبارہ ہوئی۔ میرے خاوند نے وہ سب کچھ بھی بیچ کھایا اور اس کو کوئی حیا نہ آئی کہ میری بیوی کا بھائی کتنے اعلیٰ اخلاق کا ہے اس نے کس محنت سے کمایا ہوا مال میری بیوی کی بھلائی کے لئے دیا ہے وہ سب کچھ بیچ کے یا اپنے عیش وعشرت میں لگا کر ضائع کر بیٹھا اور یہ پھر کنگال ہوگئی۔ پھر اس بھائی نے ویسا ہی کیا۔ اب روایت تو یہ بیان کرتی ہے کہ سات بار ایسا ہوا اب اللہ بہتر جانتا ہے کہ سات بار ہوا تھا یا چند بار ہوا تھا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ دو تین بار بھی ایسا ہوا ہو تو بہت عظیم اخلاق

کا مظہر ہے۔ پس اس کی بہن نے اپنے مرحوم بھائی کے حق میں جو مرثیے گائے اور اس کی تعریف میں جو رطب اللسان ہوئی حضرت عمرؓ کے سامنے جب اس کی وجہ پیش کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جاؤ تم پر کوئی عذر نہیں وہ بھائی اس لائق تھا کہ اس کے لئے یہ سب کچھ تم کرو۔

پس ایسے بھی بھائی ہیں جو اپنی بہنوں کو ان کے حق سے زیادہ دیتے ہیں اور پھر جب ان کے بہنوئی سب کچھ ضائع کر بیٹھتے ہیں تو پھر ان کے لئے اسی طرح دوبارہ احسان کا سلوک کرتے ہیں اور پھر احسان کا سلوک کرتے ہیں۔ تو آزمائش کے وقت حسن خلق زیادہ چمک کر ظاہر ہوتا ہے، نئی شان کے ساتھ ابھرتا ہے اور بدخلقی آزمائش کے وقت بالکل بیٹھ جاتی ہے اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا، اس کی تہہ میں ہر طرح کی گندگی دکھائی دینے لگتی ہے۔ پس یہ وہ فرق ہے، یہ تمیز ہے حسن خلق اور ظاہری طور پر مہذب ہونے کے درمیان۔ جس کے ذریعے اخلاق حسنہ اپنی گہرائی تک پہچانے جاتے ہیں۔ ایک خلیق انسان مصیبتوں کے وقت اور زیادہ خلیق ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے جو اعلیٰ اخلاق کی تعریف بیان فرمائی ہے اس کے مقابل پر بداخلاقی کی بھی تعریفیں کی ہیں۔ ان تعریفوں میں ایک یہ بات داخل فرمائی ہے کہ وہ لوگ جو گر پڑتے ہیں، مٹی سے مل جاتے ہیں جن کا کچھ بھی نہیں رہتا ان کا سہارا نہیں بنتے یہ لوگ اس وقت جبکہ بھوک عام ہو جاتی ہے اور ساری قوم اس وقت بھوک میں مبتلا ہو جاتی ہے اس وقت یہ بھوک دور کرنے کے لئے آگے نہیں آتے۔ یہ ایک منفی تعریف ہے لیکن اس منفی تعریف میں مثبت تعریف نہایت اعلیٰ درجہ کی بیان ہو گئی ہے۔ عام طور پر جب پیٹ بھرے ہوئے ہوں، گھر میں کافی کچھ ہو کھانے کے لئے اور کھلانے کے لئے اور دروازے پہ دستک ہوئی ہے اور ایک فقیر نے ایک روٹی کا ٹکڑا مانگا ہے تو آپ دو روٹیاں بھی دے دیں تو اس سے اخلاق کی آزمائش نہیں ہوا کرتی۔ بھرے پیٹ والے بعض دفعہ زائد سالن پھینک دیتے ہیں، زائد روٹیاں ان کی سوکھ جاتی ہیں اور Dust Bin میں پھینک دی جاتی ہیں تو ان کی خوش قسمتی کہ کوئی فقیر آیا اور دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ وہ دے بھی دیا تو کیا فرق پڑا۔ ایک گھر سے بوجھ ہلکا ہوا۔ بعض دفعہ جب ضرورت نہ رہے تو فقیر ایک رحمت بن جاتا ہے اور بجائے اس کے کہ احسان اس پر ہو وہ محسن بن جایا کرتا ہے۔ تو یہ اخلاق حسنہ نہیں ہیں۔

میں جب پہلی دفعہ امریکہ آیا تو میری بیوی بھی ساتھ تھیں دو بڑی بچیاں بھی ساتھ تھیں۔ ان

دنوں میں یہ رواج تھا شاید اب بھی ہو کہ جس گھر میں ٹیلی ویژن پرانا ہو گیا کوئی صوفہ سیٹ بدلا کر نیا صوفہ سیٹ لینا ہو تو وہ اپنے پرانے ٹیلی ویژن اور پرانے صوفہ سیٹ کو اپنے گھر کے باہر لان میں رکھ دیا کرتے تھے اور مطلب تھا کہ جس کو ضرورت ہے وہ اٹھا کر لے جائے چنانچہ بعض پاکستانیوں نے نیویارک میں بھی اور واشنگٹن میں بھی مجھے بتایا کہ ہمیں تو خریدنے کی ضرورت ہی کچھ نہیں ہم چکر لگاتے رہتے ہیں جہاں باہر کوئی اچھا بھلا استعمال کے قابل صوفہ سیٹ نظر آئے یا ٹیلی ویژن دکھائی دے وہی لے لیتے ہیں۔ تو وہاں جو فقیر ہے وہ محسن بن جاتا ہے کیونکہ جن لوگوں نے یہ سامان پھینکنا ہے اگر وہ Haulage کمپنی کو بلائیں اور ان کے ذریعہ پیسے دے کر سامان کو کسی جگہ پھینکوائیں تو کافی خرچ آئے گا اس کو اخلاق حسنہ کون کہتا ہے۔ ایک ایسے گھر میں فقیر آیا ہے جہاں کھانے کی بہتات ہے، بچا ہوا کھانا، بچی ہوئی روٹی اس نے اس کو کرنا کیا ہے تو فقیر آیا تو چلو گلے سے بلا اتری اور اسی مضمون کو ہمارے پنجابی میں یوں بیان کرتے ہیں کہ ''یار آن تے گدوداں مکان'' کہ ہم تو انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ وہ بیہودہ کھانے اور فضول چیزیں جو کسی کام کی نہیں ہمارے یار آئیں تو ان کو کھلائیں اور یہ مصیبتیں گلے سے اتریں۔ مہمان نواز بھی کہلائیں گے اور یہ فضول بچے ہوئے گند، یہ بھی ہمارے گلے سے اتریں گے اور اس مصیبت سے چھٹکارا نصیب ہوگا۔ تو یہ اخلاق حسنہ نہیں ہیں۔

قرآن کریم نے جو اخلاق کی تعریف فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ جب بھوک ایسی چمک جائے ایک گھر میں نہیں دو گھروں میں نہیں قوم کی قوم بھوکی ہو اس وقت جو لوگ ان کی مدد کے لئے نہیں نکلتے وہ اخلاق حسنہ پر فائز نہیں ہیں ان کا خدا تعالیٰ سے کوئی حقیقی تعلق نہیں اور جو تعلق والے ہیں ان کے متعلق فرمایا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: 10)۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ خواہ کیسی ہی تنگی محسوس کر رہے ہوں اپنے نفس پر دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دے دیتے ہیں اور بعض دفعہ پتا بھی نہیں لگنے دیتے کہ خود کتنے ضرورت مند تھے۔ اس لئے کہ بھائی کے دل پر بوجھ نہ پڑے، ایسے واقعات سے بھی آنحضرت ﷺ اور آپ ؐ کے صحابہؓ کی تاریخ مزین ہے کہ سخت ضرورت کے وقت اپنے بھائی کے لئے قربانی کرنا اور پھر یہ کوشش کرنا کہ اس کو پتا نہ چلے کہ ہمیں بھی ضرورت تھی۔

دوسری جگہ قرآن کریم اسی مضمون کو مثبت رنگ میں یوں بیان فرمایا ہے۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا (الدھر: 9) کہ وہ کھانا کھلاتے ہیں ایسے وقت میں جب کہ خود کھانے کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ بھوک جب حد سے بڑھ جائے تو پھر کھانے سے واقعۃً محبت ہو جاتی ہے۔ جیسے محبوب کے بغیر چین نہیں آتا اور کسی کل انسان اطمینان نہیں پاتا، اسی طرح بعض دفعہ جب بھوکا زیادہ ہو تو کھانا بھی محبوب کی طرح پیارا ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے جن الفاظ میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے یہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کا ایک کرشمہ ہے کہ ایک طرف بھوک کا مضمون بھی خوب چمکا کے بیان فرما دیا دوسری طرف نیت کے مضمون پر بھی خوب روشنی ڈال دی کیونکہ اسی طرز کلام کا، اسی بیان کا دوسرا معنی یہ بنتا ہے وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ یہاں ''ہ'' سے مراد اللہ ہے کہ وہ کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں۔ محض اپنے نفس کی طمانیت کے لئے نہیں بلکہ خالصۃً اللہ کی خاطر، اس کی محبت میں مبتلا ہو کر مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا مسکینوں کو بھی، یتیموں کو بھی، اسیروں کو بھی۔

تو اخلاق حسنہ کے بھی مختلف درجے ہیں۔ وہ اخلاق جو قرآن نے بیان فرمائے ہیں وہ اخلاق جو حضرت محمد مصطفی ﷺ نے ہمیں سکھائے ہیں۔ یہ اخلاق عام سرسری اخلاق کہلانے والے اخلاق سے اتنے بلند ہیں کہ گویا زمین کو آسمان سے نسبت دینے کی کوشش کی جائے۔ کہاں زمین کی مخلوقات کہاں آسمانی مخلوق اور کوئی نسبت نہیں ہے ان زمینی اخلاق کو، آسمانی اخلاق سے۔ تو جماعت احمدیہ چونکہ خدا کے تعلق کی دعویدار ہے اس لئے یہ بحثیں تو بہت لمبی اور طویل ہوں گی اور لا حاصل ہوں گی کہ آپ خدا والے ہیں۔ اکثر دنیا میں خدا والے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تمام مذاہب یہی کہتے ہیں کہ ہم تمہیں خدا سے ملائیں گے۔ کون سا مذہب ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ ہم تمہیں خدا کا دشمن بنائیں گے خدا سے دوری کے طریق سکھائیں گے لیکن یہ دعویٰ کہ ہم تمہیں با اخلاق انسان بنائیں گے یہ دعویٰ کہ ہم تمہیں بنی نوع انسان سے ایثار کے اسلوب سکھائیں گے، ان کی خدمت کرنا سکھائیں گے ان کے لئے قربانیاں پیش کرنا سکھائیں گے۔ یہ دعویٰ محض خوب صورت نہیں مشکل بھی بہت ہے کیونکہ ایسے عمل کو چاہتا ہے جو سب دنیا کو دکھائی دے اسے چھپایا نہیں جا سکتا وہ تو ضرور ظاہر ہوگا۔ پس اس پہلو سے اپنے اخلاق حسنہ کی حفاظت کریں تو آپ کے خدا والے ہونے کا ثبوت دنیا کو از خود مہیا ہوگا کہنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

مشک آنست کہ خود بگوید نہ کہ عطار بگوید

مشک تو وہی ہوتا ہے جو خود بولتا ہے۔ اپنی خوشبو سے بتاتا ہے کہ میں مشک ہوں، کسی عطار کی ضرورت نہیں پڑتی کہ وہ آ کے کہے کہ یہ مشک ہے تو تب آپ مانیں۔ پس اخلاق حسنہ خدا کی خوشبو رکھتے ہیں اور اخلاق حسنہ کا مشک خود بولتا ہے اور خود اپنے حق میں گواہی دیتا ہے۔

پس اس پہلو سے اپنے اخلاق کو اسلامی اخلاق کے تصور کے مطابق ڈھالیں اور اس سے یکجان کر دیں تا کہ دونوں کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہے یہ کہنا آسان ہے۔ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ لمبی محنت کا تقاضا کرتا ہے اس لئے کہ بہت سے انسان خود اپنی اخلاقی حالتوں سے واقف نہیں ہوتے۔ ان کو روزمرہ اپنے گھروں میں رہ کر ہی نہیں پتا چلتا کہ وہ کتنے بد اخلاق اور انہوں نے اپنے اہل وعیال کو کیسی کیسی اذیتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ان کو یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ ساری زندگی ان کے گھر میں ان سے نفرت کی جاتی ہے اور کیوں کی جاتی ہے۔ محض معمولی چند بداخلاقیوں کے نتیجے میں، بدتمیزی سے بولنا، بچوں کو اپنی مخلوق سمجھنا، ان کی چھوٹی سی کمزوری پر ان پر ایسے برس پڑنا جیسے وہ ان کے مالک اور خالق ہوتے ہیں اور جو چاہیں ان سے سلوک کریں۔ یہاں تک کہ ایسے بچے پھر نفرتیں لے کر بڑے ہوتے ہیں اور بعض ایسی بچیاں ہیں جو ضائع ہو جاتی ہیں، گھر چھوڑ کر نکل جاتی ہیں اور ایسے معاشروں میں جہاں بے سہارا بچیوں کو شہ دی جاتی ہے وہاں ان کا مذہب بھی ہاتھ سے نکل جاتا ہے ان کے اخلاق بھی تباہ ہو جاتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ ایک باپ بدتمیز تھا۔ تو ایک باپ کی بدتمیزی نے، دیکھیں کیسے کیسے بدیوں کے گل کھلائے اور لوگوں کو ہوش ہی نہیں آتی۔ کئی سال ہو گئے ہیں مجھے یہ نصیحت کرتے ہوئے کہ خدا کے لئے اخلاق سیکھیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اب نصیحت اثر انداز ہو گئی ہو گی۔ بعضوں پر ہو بھی جاتی ہے اللہ کے فضل سے، لیکن اس کے باوجود یہ شکایتیں مسلسل ملتی چلی جا رہی ہیں کہ کوئی خاوند اپنی بیوی کے حق ادا نہیں کر رہا، اپنے بچوں سے حسن سلوک نہیں کر رہا، کوئی اپنی بہنوں، اپنے بھائیوں کے حق ادا نہیں کرتے جائیدادوں پر نظر ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا نظر انداز ہو جاتی ہے اور اس کے باوجود با اخلاق بھی کہلاتے ہیں۔ مذہبی بھی کہلاتے ہیں اور بظاہر عبادتیں بھی کرتے اور اپنے زعم میں عبادتوں کا حق بجالاتے ہیں۔

پس وہ ساری عبادتیں جو قرب الٰہی کے حصول کا موجب ہوں وہ بنی نوع انسان کے بھی

انسان کو قریب تر کر دیا کرتی ہیں۔ یہ ایسا قطعی اصول ہے جس میں آپ کہیں رخنہ نہیں پائیں گے۔ یہ سچا ہے اور ہمیشہ کارفرما رہا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں ایک دفعہ پھر میں انبیاءؑ کی تاریخ کو گواہ ٹھہرا کر آپ کو متوجہ کرتا ہوں کہ تمام دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں ان سب کے انبیاءؑ کی تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھیں وہ انبیاءؑ جو باخدا تھے وہ بااخلاق بھی تھے اور ان کی قومیں اسی طرح ان کے خلق کے گیت گاتی ہیں جیسے وہ اپنے رب کے حسن اور اس کی مدح کے گیت گایا کرتے تھے۔ پس خدا کا عاشق ہو جانا بنی نوع انسان کا عاشق ہو جانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ **اللہ تعالیٰ سے تعلقات کو درست کر لینا، اس کی مخلوق سے تعلقات کو درست کر لینے کا مطالبہ کرتا ہے۔** پس اپنے تعلقات کی اصلاح کریں اور آنحضرت ﷺ کی نصائح کو اس معاملے میں غور اور سنجیدگی سے پڑھیں اور اپنی زندگی پر اس کا اطلاق کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ وقت چونکہ ختم ہو چکا ہے چند ایک منٹ زائد میں آپ سے لیتا ہوں اور آنحضرت ﷺ کی ایک دو اور معین نصیحتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کسی کا نوکر کھانا تیار کر کے لائے تو تم اسے اپنے پاس بٹھا کر نہ بھی کھلا سکو تو کم سے کم ایک دو لقمے تو اسے کھانے کو دے دو کیونکہ اس نے یہ کھانا محنت کر کے تمہارے لئے تیار کیا ہے اس میں اس کا بھی حق ہے۔ (بخاری کتاب العتق حدیث نمبر: 2385) پس وہ لوگ جو خدمتوں پر مامور ہوتے ہیں ان کا پورا اجر دے بھی دیں تب بھی وہ نعمتیں جو ان کے ذریعے آپ کو میسر آ رہی ہیں ان پر ان کا حق قائم رہتا ہے اس لئے ان نعمتوں میں ان کو شریک کرنا بھی ایک اعلیٰ اخلاق کا لازمی جزو ہے۔

ایک حدیث ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے یہ پوچھا گیا کہ اعمال میں سے سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آنحضور ﷺ سے جب اس قسم کے سوالات ہوتے تو موقع اور محل کے مطابق سوال کرنے والے کے حال پر نظر رکھتے ہوئے آپؐ نے ایک جواب دیا ہے اور کہیں کسی ایک چیز کو زیادہ اچھا عمل بیان فرمایا، کہیں کسی اور چیز کو زیادہ اچھا عمل بیان فرمایا اور محدثین بیچارے مشکلوں میں مبتلا۔ یہ ان بحثوں میں پڑے رہتے ہیں کہ ان کے اندر کوئی تضاد ہے کہ نہیں ہے، اختلاف کیوں ہے۔ حالانکہ یہ بحث ہی بے تعلق ہے کیونکہ ہر وہ انسان جو سوال کرنے والے کے حال سے باخبر ہو، اس کے مزاج کو پہچانتا ہو اس کا جواب اس کے حال کے مطابق

دیا کرتا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کے جوابات کا اختلاف پوچھنے والے کے مزاج کے اختلاف کا مظہر ہے اور اسی وجہ سے آنحضور ﷺ کے جواب کا اختلاف آپ کے جواب کا نہیں بلکہ پوچھنے والے کے حال کے اختلاف کا مظہر ہے اور اس موقع پر جب پوچھا گیا، پوچھنے والے نے یہ پوچھا کہ سب سے اچھا عمل کون سا ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا اور اس کے رستے میں جہاد کرنا۔ راوی کہتے ہیں پھر میں نے پوچھا کہ قربانیوں میں کون سی قربانی افضل ہے؟ تو آنحضور نے فرمایا ان جانوروں کی قربانی جو مالک کو زیادہ پسند ہوں اور زیادہ قیمتی ہوں۔ کہتے ہیں پھر میں نے عرض کیا کہ اگر ایسا نہ کر سکوں تو پھر۔ تو آپ نے فرمایا کسی کام کرنے والے کی مدد کر، یا جو اناڑی ہو، جس کو کام نہ آتا ہو اسے کام سکھا دے تاکہ وہ عزت کے ساتھ خود اپنی روزی کما سکے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ان کاموں میں، مَیں جیسا کہ آپ نے نصیحت فرمائی ہے اس کا حق ادا نہ کرسکوں تو پھر کیا حکم ہے فرمایا تو پھر یوں کرو کہ لوگوں کو نقصان پہنچانے سے بچ جاؤ اور کسی کو کوئی ضرر تم سے نہ پہنچے۔

اب یہ حدیث اس بات کی مظہر ہے کہ آنحضرت ﷺ سوال کرنے والے کی بعض کمزوریوں، بعض کوتاہیوں پر نظر رکھ کر اس کو جواب دے رہے تھے اور بالآخر وہ خود بول پڑا کہ یا رسول اللہ یہ ساری نیکیاں ایسی ہیں جن کا میں محتاج تو ہوں مگر مجھ میں طاقت نہیں ہے اس لئے پھر میرے لئے کیا حکم ہے۔ جو یہ نیکی بھی نہ کر سکے، وہ نیکی بھی نہ کر سکے، وہ بھی نہ کر سکے آخر وہ کیا کرے؟ تو آپ نے فرمایا اتنا تو کرو کہ تمہارا شر کسی کو نہ پہنچے اور بنی نوع انسان تمہارے شر سے محفوظ رہیں۔ یہ کم سے کم نیکی ہے جس کی خدا تعالیٰ مومنوں سے اور اللہ کا رسول مومنوں اور مسلمانوں سے توقع رکھتا ہے۔ فرمایا اگر تم یہ کرو گے کہ بنی نوع انسان تمہارے شر سے محفوظ رہیں گے۔ تو یہ تمہارے نفس کا تم پر ایک حق ہے جس کا تم صدقہ دے رہے ہو۔ یہ لفظ جو عربی میں استعمال ہوئے ہیں اس کے ترجمے عموماً ناقص ہو گئے ہیں کیونکہ ایسا ایک انداز بیان ہے جس کو سمجھنا ذرا مشکل ہے۔ عربی کے الفاظ یہ ہیں ''تکفّ شَرَّکَ عن الناس فانها صدقة منک'' لفظی ترجمہ ہے تو لوگوں کو اپنے شر سے بچائے رکھ 'فانها صدقة منک'' یہ تیری طرف سے صدقہ ہوگا۔ بظاہر بات ختم ہوگئی مگر ساتھ فرمایا ''علی نفسک'' تیرے نفس پر۔ تو نفس پر صدقے سے کیا مراد ہے؟ مراد یہ ہے کہ تیرے نفس پر یہ تیرا حق ہے کہ تو اس کی خاطر یہ صدقے دے ورنہ اگر تیرا شر دوسروں کو پہنچتا رہا تو

تیرے نفس کو دوسروں کا شر پہنچتا رہے گا۔ تو عملاً اپنے نفس کو غیروں کے شر سے بچانے کا ایک عظیم طریق بیان فرما دیا گیا کہ تو اگر اپنے شر سے اللہ تعالیٰ کی خاطر لوگوں کو بچاتا ہے تو یہ ضمانت ہو جائے گی اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ تیرے نفس کی حفاظت فرمائے گا اور اس کو دوسروں کے شر سے بچائے گا۔

پس آنحضرت ﷺ نے جن مکارم اخلاق پر فائز ہوتے ہوئے بنی نوع انسان کو ان اخلاق کی طرف بلایا ہے ان کو گہری قدر کی نظر سے دیکھیں، ان پر عمل کریں تو ایک دو نصیحتیں ہی آپ کی ساری زندگی کی کایا پلٹ سکتی ہیں۔ اگر آج جماعت احمدیہ عالمگیر جس تیزی سے یہ بڑھ رہی ہے اپنے اخلاق میں بھی اسی طرح نشوونما دکھائے اور تیزی کے ساتھ بلند تر اخلاق کی طرف بڑھنے کے قدم اٹھائے اور جلد تر اعلیٰ مکارم تک پہنچ جائے تو ساری دنیا کی تقدیر جماعت احمدیہ کے ہاتھ میں ہوگی۔ وہ لوگ جو خدا کی نظر میں اس کے بہترین بندے ہوں گے وہ لوگ جو خدا کی نظر میں سب سے زیادہ بااخلاق ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کی لازماً حفاظت فرمائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا تو آنحضرت ﷺ یہاں تک یقین سے ذکر فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی بندہ اس کی خاطر دوسروں کو شر پہنچانے سے باز آ جائے تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کے نفس کو دوسروں کے شر سے بچائے گا۔ تو جس خدا نے یہ ضمانت دے رکھی ہو اگر اس کی خاطر آپ بلند تر اخلاق پر فائز ہوں نہ صرف یہ کہ لوگوں کے حق نہ ماریں بلکہ ان کو ان کے حقوق سے زیادہ ادا کرنے والے ہوں اور اپنے حسن خلق سے اپنے معاشرے کو حسین معاشرے میں تبدیل کر دیں تو یہ قوم ہوگی جس کے متعلق لازماً آسمان پر لکھا جائے گا کہ تم نے ہی غالب آنا ہے اور تمہارے ہی اخلاق ہیں جن کو بنی نوع انسان پر غالب کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ پس غلبے کے سیاسی تصور میں مبتلا نہ ہوں یہ محض جہالت کی باتیں ہیں۔ سیاسی غلبوں کو ہم نے کرنا کیا ہے کبھی دنیا میں کسی کو سیاسی غلبے نے فائدہ پہنچایا ہے۔ بڑے بڑے ممالک کو سیاسی غلبے نصیب ہوئے لیکن سوائے اس کے کہ مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچا کر اور چھوٹی قوموں کے حقوق لوٹ کر وہ اپنے رستوں پر گامزن ہوئے اور انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اخلاق حسنہ ہیں جن کے غلبے کی دعا مانگنی چاہئے اور یہی وہ غلبہ ہے جو حقیقت میں اسلام کا غلبہ ہوگا جس کا قرآن کریم میں وعدہ فرمایا گیا ہے۔ پس دعائیں کرتے رہیں اور کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اخلاق حسنہ پر فائز فرمائے اور آپ کو اخلاق حسنہ کا غلبہ عطا کرے۔ وہی غلبہ ہے جو حقیقت رکھتا ہے اس کے بغیر غلبے کی ساری بحثیں نفس کے قصے ہیں ان میں کوئی بھی سچائی نہیں۔ (آمین)